Fikr-o-Nasar (Islamabad) 25:3 (1988)

مولانا صباح الدین عبدالرحمن

مؤلفات پر ایک نظر

حکیم محمد سعید

آج سیّد صباح الدین عبدالرحمن ہمارے درمیان نہیں رہے، لیکن علم و ادب، تاریخ و تحقیق، تحریر و صحافت اور تصنیف و تالیف کے ایوانوں میں ان کی گونج ہمیشہ سنائی دیتی رہے گی ۔ وہ اپنے ذاتی اور انفرادی دائرے سے نکل کر ایک ایسے علمی و تحقیقی مرکز کے نمائندے بن چکے تھے جس نے برصغیر ہی نہیں بلکہ جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کی نشاۃ و نہضت میں تاریخ ساز کردار ادا کیا اور جدید منہاج علم و فکر کی ایک ایسی ہمہ گیر تحریک سے روشناس کرایا جو ثقافت ، تمدن ، اور تہذیبی روایات کے سائنٹفک شعور پر مبنی تھی ۔ دبستان شبلی کی اسی خصوصیت کا نمائندہ ادارہ دارالمصنفین اعظم گڑھ ہے جس کے سربراہ گزشتہ ۱۹ سال سے مولانا سیّد صباح الدین عبدالرحمن مرحوم تھے اور دبستان شبلی کے جملہ خصائص ان کی ایک ذات میں جمع ہو گئے تھے ۔ وہ تقریباً ١٦ عظیم اور شہرہ آفاق کتابوں کے مصنف تھے ۔ بہ ظاہر سیر و سوانح، تاریخ و ادب تحقیق و تنقید جیسے مختلف موضوعات کی کتابیں معلوم ہوتی ہیں، لیکن اگر بہ نظر غائر ان کا مطالعہ کیا جائے اور روح و مزاج کے اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو مصنف کے ذہن

کے حوالے سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ساری کتابوں کا موضوع ایک اور صرف ایک ہے اور وہ ہے اسلام اور مسلمانوں کے تمدن کی آفاق گیر وسعت اور تاریخی دلائل کی روشنی میں اس حقیقت کا اثبات ۔

بادی النظر میں یہ کام کچھ زیادہ دشوار نہیں معلوم ہوتا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے اور اس سے عہدہ برآ ہونے کا عزم رکھنے والے محققین سے نکتہ رس ذہن وسیع مطالعہ اور مشرق و مغرب کے تمام تاریخی سرمائے پر گہری نظر کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ پس منظر اگر ذہن میں رکھا جائے تو شاید کام کی اہمیت اور وسعت کا زیادہ صحیح اندازہ ہو سکے گا ۔

مغرب نے علمی میدانوں میں ہمارے خلاف جو متعدد محاذ تیار کیے تھے ان میں ایک سب سے زیادہ خطرناک محاذ ایسا بھی تھا جس سے ہمارے تاریخی اور تمدنی حقائق کو مسخ کرنے کا سلسلہ بڑی تیزی سے جاری تھا ۔ دشواری یہ تھی کہ اس محاذ پر تنہا اہل مغرب ہی نہیں تھے بلکہ ہندو بھی ان کے حلیف بن گئے تھے اور ہمارے تمدن اور ہمارے طرز حیات کے بارے میں تاریخ کے نام پر یہ تاثر عام کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اسلام اور مسلمانوں کا ارتقاء عالم انسانی کے حق میں عدل و مساوات، اخوت، شائستگی اور وسیع النظری کی اعلیٰ روایات کے ساتھ نہیں بلکہ ظلم، وحشت اور بربریت کے ساتھ ہوا ۔ مقصد یہ تھا کہ ہمارا ذہن اور ہمارا عقیدہ اپنی تہذیب اور اپنے تمدن کی بھیانک تصویر دیکھ کر اور اپنی تاریخ پر شرمسار ہوکر ہنود و نصاریٰ کے سامنے معذرت خواہانہ انداز سے سرنگوں ہو جائے اور وہ ضمیر و اعتقاد اور اسلاف کے علمی ورثے پر ہمارا اعتماد سلب کرنے میں کامیاب ہو جائیں، دنیا کو علمی اور سائنسی بنیادوں پر چیلنج کرنے والی سب سے بڑی قوم فکری محاذ پر پسپا ہو کر اپنے امتیازات کھو بیٹھے ۔

یہ تھا علمی محاذ اور اس کو عقبی منظر میں رکھہ کر کام کرنا تھا ۔ چنانچہ مولانا صباح الدین کی ساری کتابیں اسی ذھنی پس منظر کے ساتھہ وجود میں آئیں اور اپنے تحقیقی منہاج اور منفرد اسلوب کی بنا پر مقبول ھوئیں، ان مؤلفات کے مضامین و مشمولات پر دوست اور دشمن دونوں متوجہ ھوئے ۔ یہ ان کے اخلاص اور ان کی علمیت کی فتح تھی ۔

قیام علی گڑھہ کے زمانے میں بھی انھیں اھل مغرب کی اس معاندانہ روش کا احساس تھا اور وہ اس زمانے میں اکثر انگریزی مضامین میں ان موضوعات کو زیر بحث لاتے تھے مگر فکرونظر کی باقاعدہ تنظیم و تشکیل اس وقت ھوئی جب وہ ایم ۔ اے کرنے کے بعد تحقیقی مقالے کی تدوین کے لیے دارالمصنفین بھیجے گئے ۔

سیّد سلیمان ندوی صاحب سے خردی، بزرگی اور افادۂ و استفادے کے تعلقات تو پھلے سے تھے مگر اب براہ راست رہ نمائی حاصل کرنے کا موقع ملا تو ان کی فکر منظم و مربوط ھو گئی اور ایک ایسے اسلوب نگارش سے وہ متعارف ھوئے جس میں آگھی، استدلال اور ذھنی بیداری کا پر تو نمایاں تھا ۔

موضوعی طور پر اس عظیم مصنف کے سپرد جو کام تھا وہ برصغیر کا اسلامی عہد تھا ۔ اس سلسلے کی پھلی کتاب بزم تیموریہ تھی جو دو ضخیم جلدوں میں سامنے آئی اور پھلی بار یہ حقیقت مبرھن ھو کر نمایاں ھوئی کہ تیموری سلاطین، صرف علم پرور ھی نہیں تھے بلکہ زبان و ادب کے بھی محسن تھے اور ان کے عہد کو بجا طور پر علمی و ادبی اعتبار سے زرین عہد کہا جا سکتا ہے ۔ اس کتاب میں سینکڑوں علماء اور مشائخ، شعراء، ادباء اوراصحاب تصنیف و تالیف کے ایسے تذکرے ھیں جن کو ھزاروں اھم کتابوں کا خلاصہ کہا جا سکتا ہے ۔ کتاب کے تحقیقی مقام و مرتبے کا اندازہ

صرف اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک هندستانی دانشور کو محض اس کے فارسی ترجمے پر تہران سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی، علاّمہ سیّد سلیمان ندوی ایک خط میں صباح الدین صاحب کو ان کی اس تصنیف کے بارے میں تحریر فرماتے هیں ۔

,,جو تصویر تم نے کھینچی ہے وہ نہایت عمدہ ہے اور مصور کے کمالات تعریف کے مستحق هیں،،

مکتوب سیّد سلیمان ندوی بہ نام
سید صباح الدین
۳۰ دسمبر ۱۹۴۸ء

ایک هی سال کے بعد ایک دوسری کتاب ,,بزم صوفیہ،، کے نام سے وجود میں آتی ہے جو اپنی علمی سطح کے اعتبار سے عام تذکرہ و تاریخ سے صرف بلند هی نہیں بلکہ مواد تحقیق کے اعتبار سے مسلم تمدن کے مختلف موضوعات پر کام کرنے کے لئے اهم حوالے کی حیثیت بھی رکھتی ہے ۔ اس میں مشائخ اور صوفیہ کے صرف سیر و سوانح نہیں هیں بلکہ ملفوظات میں موجود ان کی تعلیمات کے حوالے سے ان کے تبلیغی کارناموں اور نوع انسان کے لیے فلاحی خدمات کی مستند تفصیلات موجود هیں ۔

تاریخ و تمدن کے مطالعے کے سفر میں ایک طالب علم کو جو طبقہ اپنے اثر و نفوذ اپنے فلسفہ و فکر اور اپنے عمل و کردار کے اعتبار سے نہایت ممتاز مقام پر نظر آتا ہے وہ بلاشبہ صوفیہ کا طبقہ ہے جس کا قابل ذکر علمی جائزہ یا تو پروفیسر نکلسن نے لیا یا پھر سیّد صباح الدین عبدالرحمن اور خلیق احمد نظامی نے ۔

اسی بزم صوفیہ کی بدولت ملفوظات ادب کی همہ جہت قدر و قیمت کا صحیح اندازہ هوا اور ملفوظات کی علمی، افادی اور تاریخی حیثیت کا تعین بھی هوا ۔

اس باب میں دور حاضر کے بعض مورخین کے تسامحات پر بھی فکر انگیز بحث ملتی ہے نیز مجموعی طور پر صوفیہ کے اسلامی کردار کی حقیقی تصویر نظر آتی ہے۔

چار سال کے وقفے کے بعد ۱۹۵۴ء میں بزم مملوکیہ کے نام سے ایک تیسری اہم کتاب منظر عام پر آئی ہے۔

ہمارے نزدیک مملوک خاندان کے سلاطین دو امتیازات کے لحاظ سے خصوصی اعتنا کے مستحق تھے، ایک تو ان کا نمایاں ذوق علم، دوسرے اسلامی منہاج حیات سے ان کی دلچسپی۔ انھوں نے علم و ثقافت کی جو خدمات انجام دی تھیں ان کے مفصل جائزے کی ضرورت تھی، ان کی علم دوستی کی بنا پر ان کے عہد میں ایسے علما، شعرا اور ادبا نظر آتے ہیں جو اسلامی تمدن کے افق کے آفتاب و ماہتاب کہے جا سکتے ہیں۔ مولانا منہاج سراج، مولانا شمس الدین خوارزمی، مولف فتاوی تاتار خانی، نیز امیر خسرو اور حسن سنجری اسی عہد کی شخصیات میں سے ہیں، اس لیے یہ کتاب آئینۂ صد رنگ بن گئی ہے اور صباح الدین صاحب کی محققانہ عظمت کی مکمل نمائندگی کرتی ہے۔

گیارہ سال کے طویل وقفے کے بعد دو جلدوں میں"ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچّی کہانیاں، کے نام سے ایک دوسری کتاب معرض وجود میں آتی ہے جس میں مسلم سلاطین کے اخلاق کے اسلامی خط و خال کو نمایاں کیا گیا ہے اور ترویج علم، اشاعت علم، اور اصلاح معاشرہ کے سلسلے میں حساس احتسابی نظام کی خوبیوں کا جائزہ مستند تاریخی واقعات کے ساتھ لیا گیا ہے۔

تقریباً اسی زمانے میں ایک اور کتاب ,,ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے،، کے نام سے سامنے آتی ہے جو اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ مسلم سلاطین نے ہندوستان کو ایسے تمدنی

محاسن سے آراستہ کیا کہ پورا برصغیر اپنی ثقافتی رعنائیوں کے اعتبار سے جغرافیۂ عالم کا ممتاز ترین خطہ بن گیا اور یہ سب کچھ ان بادشاھوں نے مذھب و ملّت کے فرق و امتیاز کے بغیر کیا، اس لیے کہ اسلامی تعلیمات کی بدولت وہ وسیع النظری اور رواداری کی صفات سے آراستہ تھے ۔ ان تفصیلات کے لیے ایک مستقل کتاب ,,ھندوستان کے عہد ماضی میں مسلمانوں کی مذھبی روا داری" لائق دید ہے جو ۱۹۷۵ء میں منظر عام پر آئی ۔

مسلم سلاطین کی عسکری حکمت عملی اور ھندوستان کے عہد وسطی کا فوجی نظام بھی ان کی تحقیق کا موضوع ہے جس سے مسلمانوں کی حربی تکنیک کا صحیح اندازہ ھوتا ہے ۔

اس کتاب میں محمد بن قاسم کے فوجی مراکز اور اس کی قائم کردہ متعدد فوجی چھاؤنیوں کی تفصیلات جس مورخانہ جزئیات نگاری کے ساتھ پیش کی گئی ھیں وہ مصنف کی بصیرت اور تلاش و تحقیق کے اعلیٰ نمونے کی حیثیت رکھتی ھیں ۔

یہ سیّد صباح الدین مرحوم کی تالیفات کا مکمل جائزہ نہیں، لیکن نمائندہ تصانیف پر ایک سرسری نظر ہے جسے سامنے رکھ کر ایک باشعور قاری یہ نتیجہ بہ خوبی اخذ کر سکتا ہے کہ مصنف کی فکر مربوط و منظم ہے اور ان کے خیال میں وحدت ہے ۔ تمام تخلیقات میں مرکز توجہ یہ نکتہ ہے کہ جادو ناتھ سرکار اور ایشوری پرشاد کے علاوہ مغربی مورخین اسلام اور اسلامی تاریخ اور مسلم تہذیب و تمدن سے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلا رھے ھیں حقائق ان کے برعکس ھیں ۔ مسلمان جہاں بھی گئے انھوں نے قوموں کو علم و تہذیب کی لازوال دولت عطا کی اور ان کی فتح و کامرانی دراصل اخلاق و کردار اور علم و بصیرت کی فتح تھی ۔ ان کے عدل و انصاف اور ان کی رواداری سے معاشرے کو ایک ایسا نظام ملا تھا جس

میں احتسابی قوت ہمیشہ متحرک رہتی تھی اسی ایک مرکزی خیال کے جلوے ان کی مختلف مدلل اور اعلیٰ سطحی کتابوں میں نظر آتے ہیں اور یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مسلم تاریخ کو مسخ کرنے کا جو مذموم سلسلہ ہندو اور انگریز مورخین کی طرف سے شروع کیا گیا تھا ، اس محاذ پر علم و آگہی کے آلات سے لیس ہو کر صباح الدین مرحوم مسلم تاریخ و ثقافت کے ایک نکتہ شناس وکیل کی حیثیت سے ابھرے اور فکری عدالت کے ایوان پر چھا گئے ۔

جیسا کہ سطور ماقبل میں کہا جا چکا ہے کہ ابتداءً وہ انگریزی میں لکھتے تھے اور حیدرآباد کے مشہور عالم علمی جریدے اسلامک ریویو وغیرہ میں ان کے مضامین اکثر آتے رہتے تھے، لیکن دارالمصنفین سے تعلقات کے بعد علاّمہ سیّد سلیمان ندوی نے ان کو اردو میں مقالہ نگاری کی طرف متوجہ کیا ۔

مقالہ نگاری کے متعلق یہاں اس حقیقت کا اظہار برمحل نہ ہوگا کہ یہ باقاعدہ تصنیف یا کسی موضوع پر مستقل کتاب پیش کرنے سے زیادہ مشکل کام ہے۔ اس لیے کہ مقالے میں اختصار، جامعیت اور علمیت کے ساتھ فکر انگیزی خصوصیت کے ساتھ بہت ضروری ہے اور اسلوب و زبان کی دلکشی و دل آویزی وہ لازمی صفت ہے جس کے بغیر علمیت اور فکرانگیزی کے عوامل بےاثر رہتے ہیں ۔

ایک مقالہ نگار کی حیثیت سے سیّد صباح الدین مرحوم نے بہت جلد نمایاں مقام حاصل کر لیا اس لیے کہ انگریزی ادب کے ساتھ ساتھ فارسی کی مکتبی تعلیم نے ان کی ذہنی استعداد کو پختہ تر کر دیا تھا اور عربی سے واقفیت نے اسے مزید جلا بخش دی تھی ۔ ذہن محققانہ تھا ہی، لہذا جب بھی کسی عنوان پر کوئی مضمون لکھتے تھے تو اس کا وزن،وقار علمی حلقوں میں پوری طرح محسوس کیا جاتا تھا ۔

علاّمہ سیّد سلیمان ندوی اپنے عہد ھی میں اکثر بین الاقوامی اور قومی سطح کے مذاکروں میں اپنے نمائندے کی حیثیت سے انھیں بھیجا کرتے تھے اور جو فکری نکات اپنے مقالے میں وہ پیش کرتے تھے وہ اھل علم کے لیے اتنے اچھوتے ہوتے تھے کہ متعدد گوشوں سے ان کو کتابی صورت میں پیش کرنے کا تقاضا کیا جاتا تھا، ان کی متعدد معرکہ آرا تصانیف ابتداءً مقالات کی صورت میں تھیں ، پھر معارف کے صفحات میں آئیں اور اھمیت کی بنا پر بعد کو کتاب کے قالب میں ڈھل گئیں ۔ امیر خسرو سے متعلق بیشتر کتابوں کا پس منظر یہی ہے اور دو سال پہلے پیر راشدی مرحوم کی علمی، ادبی اور تحقیقی خدمات پر ان کی جو کتاب راقم السطور کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوئی ہے وہ بھی پہلے ایک جامع مضمون ھی کی صورت میں تھی اور ناظرین کو اس پر حیرت نہ ھونی چاھیے کہ وہ مضمون حضر نہیں بلکہ سفر میں دو دنوں کی مختصر مدت میں لکھا گیا تھا۔ اس سے ذھن کی بیداری، قلم پر قدرت اور مضامین و مواد کے استحضار کا پتا چلتا ہے۔

چند سال ادھر کی بات ہے کہ دھلی کے ایک اعلیٰ سطحی علمی سیمنار میں انھوں نے ایک مقالہ بہ عنوان ,,ھندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات،، پر پیش کیا ۔

یہ تاریخ کا ایک نہایت معرکہ آرا باب ہے جس میں علماء اور مشائخ کو موثر حزب اختلاف اور زبردست قوت احتساب رکھنے والے گروہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور اقتدار سے سرزد ھونے والی لغزشوں پر ان کی بیباکانہ گرفت اور اصول دین سے انحراف کے رجحان پر خوف تعزیر سے بےنیاز ھو کر عناں گیری کی ولولہ انگیز مثالیں پیش کی گئی ھیں اور ساتھ ھی خود سلاطین کے بھی تعمیری کردار کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ مقالہ اپنے اعتدال

مزاج کی وجه سے خاص اهمیت رکھتا تھا ۔ اس لیے مولانا عبدالسلام قدوائی مرحوم اور برادر محترم جناب حکیم عبدالحمید صاحب مدظله، کے ایما سے مرتب نے اسے کتابی صورت میں پیش کیا اور تاریخ کا ایک اهم باب مسلمانوں کے نظام حکومت کی تمام مستحسن صفات کے ساتھ علمی انداز سے سامنے آیا ۔

ان کے مضامین و مقالات همیشه معارف اور دیگر رسائل و جرائد میں آتے رهے، اور ایک بلند پایه مضمون نگار کی حیثیت سے ان کے منفرد مقام و مرتبے کو هر حلقے میں تسلیم کیا گیا، لیکن جب معارف کی ادارت کی خدمت انهیں تفویض کی گئی تو ان کی عظیم اور وسیع صلاحیتوں کا ایک نیا پهلو سامنے آیا اور وہ ہے علمی جرائد کی صحافت، جس سے وہ نه صرف به خوبی عهده برآ هوئے بلکه معارف کو اس کی تمام خصوصیات کے ساتھ اس طرح باقی رکھا که اس کے معیار میں کبھی کوئی فرق نهیں آیا ۔

علمی حلقوں میں مضامین کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ معارف کے دو ابواب بهت پسندیدگی کے ساتھ دیکھے جاتے هیں ایک تو اداریه جو ,,شذرات،، کے عنوان سے آتا ہے ۔ ,,شذرہ نگاری،، اب اردو صحافت میں مستقل حیثیت اختیار کر گئی ہے لیکن جن خصوصیات کی بنا پر مختلف علمی، ادبی، فکری اور قومی مسائل پر مختصر ادارتی نوٹ، ,,شذرات،، کی حیثیت اختیار کرتے هیں، ان کا علمی نمونه علاّمه سیّد سلیمان ندوی نے معارف کے ذریعه پیش کیا، وہ ایسے اسلوب نگارش پر قدرت بھی رکھتے تھے ۔ سیّد سلیمان ندوی مرحوم کے بعد بھی یه خصوصیت برقرار رهی، لیکن جس آب و تاب کے ساتھ اس قالب میں سیّد صباح الدین عبدالرحمن نے اپنی انفرادیت کی روح پھونکی وہ اپنی مثال آپ ہے ۔

سیاست، مذھب، تمدن، معاشرت اور عصری مسائل پر ان کے شذرات بےحد فکر انگیز متین، مدلل، اور بلیغ ھوتے تھے، زبان اور انداز نگارش سے سیّد سلیمان ندوی مرحوم کی یاد تازہ ھو جاتی تھی۔

معارف کا دوسرا اھم باب ,,وفیات،، کا ھوتا ہے۔ یہ عنوان خود سیّد صاحب مرحوم و مغفور نے قائم کیا تھا جس کے تحت ملک و ملّت کے مشاھیر و اکابر کی وفات پر تعزیت اور تاثرات پیش کرتے تھے، لیکن ایسے جامع اور محیط انداز میں کہ شخصیت اور مقام و مرتبے کے ساتھ متوفی کی حیات، کارنامے اور ذاتی سیرت و کردار کا ھر گوشہ سامنے آ جاتا تھا اور یہ ساری چیزیں معارف کے دو صفحات میں ھوتی تھیں، انھی خصوصیات کی بنا پر ,,وفیات،، کے تحت لکھے جانے والے سارے خاکے ,,یاد رفتگاں،، کے عنوان سے شائع ھو کر مبسوط و مفصل مضامین لکھنے والوں کے لیے مصدر و مرجع بن چکی ھیں۔

سیّد صباح الدین عبدالرحمن مرحوم کا کمال یہ ہے کہ وفیات کے اس عنوان کے تحت پیش کیے جانے والے تاثرات اور شخصی خاکوں کو نہ صرف سیّد سلیمان ندوی مرحوم کے رنگ و آھنگ میں پیش کیا بلکہ اسے مزید ادبی دلکشی و دل آویزی اور مرقع نگاری کے حسن سے بھی آراستہ کیا۔

اعلام القرآن کے ماھر، صاحب نظر مفسر اور متعدد زبانوں کے عالم، مولانا ابوالجلال ندوی مرحوم کو علمی دنیا بھولی نہ ھوگی۔ تین سال ھوئے کہ کراچی میں ان کا انتقال ھوا سیّد صباح الدین مرحوم نے وفیات کے عنوان سے ان کے بارے میں جو کچھ لکھا وہ ان کی خاکہ نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔ چند سطور برائے ملاحظہ پیش خدمت ھیں:

,,جس موضوع پر بولتے سننے والوں پر اپنی غیر معمولی، علمی، تاریخی، ادبی اور مذھبی معلومات کا گھرا اثر پیدا کرتے۔

بعض اوقات جی چاھتا که وہ بولتے رھتے اور ھم لوگ سنتے رھتے ۔ ان کی گفتگو قلم بند کر لی جاتی تو وہ علمی جواھر ریزے ھوتے، لیکن یه علم و فن کی بڑی محرومی رھی که جب وہ کسی موضوع پر لکھنے بیٹھتے تو لکھتے چلے جاتے اور ان کے قلم کی روانی کہیں نہیں رکتی، یہاں تک که ایک موضوع پر دو ڈھائی سو صفحے لکھ جاتے، جس میں اپنی بے پناہ معلومات کی بنا پر موضوع سے ھٹ کر بہت سی غیر متعلق باتیں بھی آ جاتیں، ذھن کی اسی انتشار پسندی کی وجه سے کسی موضوع پر کوئی خاص کتاب نه لکھ سکے، لیکن ان کی جو بھی تحریر معارف میں شائع ھوتی اس پر اھل فن کی نگاہ ضرور اٹھتی، معارف میں ان کے ایک مضمون کو پڑھ کر پیرس سے ڈاکٹر حمیداللہ نے لکھ بھیجا تھا که ,,دارالمصنفین کے علمی افق پر یه کہاں سے درخشندہ ستارہ طلوع ھوا ہے،،

معارف نومبر ۱۹۸۳ء

,,شذرات،، اور ,,وفیات نگاری،، نیز تصنیف و تالیف کتب کی ذمه داریوں کے ساتھ مختلف موضوعات پر مضمون نگاری کے فرض سے بھی وہ کبھی غافل نہیں رھے ۔

ھندوستان کو جو مختلف تہذیب و ثقافت، عقیدہ مذھب رکھنے والی اقوام کا وطن ہے بہت سے مسائل کا سامنا ہے ۔ مسلمان جن غیرمنصفانه اقدامات سے براہ راست متاثر ھو رھے ھیں ان کی فہرست بہت طویل ہے لیکن مسجد بابری کے قصّے نے جو ھیجان پیدا کر دیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی، اجودھیا کی اس قدیم مسجد کے بارے میں وھاں کی عدالت عالیه کے فاضل ججوں اور مورخوں نے جو موقف اختیار کر رکھا ہے اس کی تردید و تغلیط کی کوشش اعلٰی علمی دلائل کے ساتھ بہت کم کی گئی تھی ۔ سیّد صباح الدین عبدالرحمن

مرحوم نے اپنے ایک نہایت فاضلانہ مضمون کے ذریعہ اس شرانگیز مغالطے کی ایسی پر زور علمی تردید کی کہ معاندین ساکت ہوگئے اور دلائل و براهین کے سامنے سب کو سر تسلیم خم کرنا پڑا فیصلہ گو معرض التوا میں ہے لیکن حقائق کی تردید اب تک نہیں ہو سکی۔

آج دارالمصنفین کا روشن ترین چراغ گل ہو چکا ہے لیکن یقین ہے کہ اس کی ضیا گستری اور نور افشانی سے افق علم و فکر ہمیشہ تاباں و درخشاں رہے گا اور تاریخ و تمدن کے علمی و قلمی محاذ پر عصر حاضر میں اسلام کے ایک ممتاز متکلم، صاحب طرز مصنف اور نکتہ شناس محقق کی حیثیت سے سیّد صباح الدین عبدالرحمن مرحوم نہ صرف ہند و پاک بلکہ بین الاقوامی دنیا میں بھی ہمیشہ احترام کے ساتھ یاد کیے جائیں گے ۔ ان تصانیف نے شہرت اور بقائے دوام کے دربار میں ان کو وہ مقام عطا کر دیا ہے جس سے نابغۂ روزگار ہستیوں کو قدرت نوازا کرتی ہے۔